ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 1962

Program: BS Islamic Studies (Spec. Qur'an & Tafsir)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس :تفسیری ادب میں منتخب نصوص کا مطالعہ • (1962) 2 سطح :بی ایس علوم اسلامیہ) تخصص قرآن و تفسیر(

سمیسٹر :خزاں2026

امتحانی مشق نمبر) 2 یونٹ 6 :تا(9

کل نمبر • 100 کامیابی کے نمبر50 :

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

)مطالعہ و حوالہ کے لیے(

نوٹ :یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ نصابی کتاب کے متعلقہ یونٹس پڑھیں، مفاہیم کو سمجھیں اور پھر جواب اپنے الفاظ میں لکھیں۔

سوال نمبر :1 حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کے تمام مراحل — سورۂ نوح کی روشنی میں 20) نمبر(

سوال نمبر1 ۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کے تمام مراحل سورہ نوح کی روشنی میں تفصیل سے بیان کریں۔(20)

تعارف

سورۂ نوح قرآن مجید کی اکہتر ویں سورت ہے، یہ مکی سورت ہے اور اس کی اٹھائیس آیات ہیں۔ یہ واحد سورت ہے جو کسی پیغمبر کی دعوتی زندگی کا خلاصہ ان کی اپنی زبانی پیش کرتی ہے؛ حضرت نوح علیہ السلام بارگاہِ الٰہی میں اپنی قوم

کی نوسو پچاس سالہ دعوت کی پوری رپورٹ پیش کر رہے ہیں، جیسا کہ سورۂ عنکبوت میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال رہے۔ یہ سورت دعوت و تبلیغ کے اصول و آداب کا ایک مستقل منشور ہے :اس میں دعوت کے مراحل، داعی کے اخلاق، مخاطبین کی نفسیات اور آخرکار سرکشی کا انجام، سب کچھ نمونے کے انداز میں موجود ہے۔ اس جواب میں سورۂ نوح کی روشنی میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کے تمام مراحل ترتیب وار تفصیل سے بیان کیے جائیں گے۔

پہلا مرحلہ :ابتدائی دعوت اور انذار

دعوت کا پہلا مرحلہ آیات 1 تا 4 میں آیا ہے» :إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ «یعنی ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کو دردناک عذاب آنے سے پہلے خبردار کر دو۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا» :يَا قَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ، أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ «بیٹی اے میری قوم !میں تمہارے لیے کھلا خبردار کرنے والا ہوں؛ اللہ کی عبادت کرو، اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اس مرحلے میں تین بنیادی باتیں پیش کی گئیں :توحید کا مطالبہ، تقویٰ کی دعوت اور رسول کی اطاعت۔ ساتھ ہی مغفرت کا وعدہ بھی تھا» :يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى «کہ اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور مقررہ اجل تک تمہیں مہلت دے گا، کیوں کہ اللہ کی اجل جب آ جاتی ہے تو ٹالی نہیں جاتی۔ اس مرحلے سے داعی کو یہ اصول ملتا ہے کہ دعوت کی ابتدا واضح مقصد، سادہ زبان اور ڈرانے کے ساتھ امید دلانے سے ہوتی ہے، اور خطاب» یا قوم «جیسے نرم و شفقت بھرے لفظ سے ہوتا ہے تاکہ مخاطب کو اپنا سمجھا جائے، غیر نہیں۔

دوسرا مرحلہ :دعوت کے متنوع اسالیب — شب و روز، اعلان و اخفا

جب قوم نے دعوت قبول نہ کی تو دوسرا مرحلہ شروع ہوا جس کی تفصیل آیات 5 تا 9 میں خود حضرت نوح علیہ السلام بیان کرتے ہیں» :رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا «یعنی میں نے اپنی قوم کو رات دن بلایا۔» فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا «مگر میری پکار نے ان میں فرار ہی بڑھایا۔ پھر آپ نے اسالیب بدلے» :ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا، ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا «یعنی پھر میں نے انہیں علانیہ بھی پکارا، پھر کھلے عام بھی کہا اور پوشیدہ طور پر بھی سمجھایا۔ اس تنوع میں

داعیانہ حکمت کی انتہا ہے :اجتماعی مجالس میں بھی خطاب ہوا، انفرادی ملاقاتوں میں بھی سمجھایا گیا، دن میں بھی کہا گیا اور رات کو بھی موقع ضائع نہیں کیا گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام ہر مخاطب کی نفسیات کے مطابق انداز اختیار کرتے رہے؛ جسے اجتماعی انا روکتی تھی اسے تنہائی میں سمجھایا، جسے پوشیدہ بات سمجھ آتی تھی اسے پوشیدہ کہی گئی۔ اس سے یہ اصول ثابت ہوتا ہے کہ دعوت کی ناکامی کا بہانہ اسالیب کی کمی نہیں ہونا چاہیے؛ داعی پر لازم ہے کہ وہ ہر معقول ذریعہ اختیار کرے، پھر نتیجہ اللہ کے سپرد کر دے۔

تیسرا مرحلہ :ترغیب، استغفار کی دعوت اور عجائبِ قدرت سے استدلال

تیسرے مرحلے میں دعوت کا انداز ترغیب اور عقلی استدلال کا ہو گیا۔ آیات 10 تا 12 میں حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں» :فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا، يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَارًا «یعنی اپنے رب سے مغفرت مانگو، وہ بڑا بخشنے والا ہے؛ وہ تم پر آسمان سے موسلادھار بارش برسائے گا، مال و اولاد سے مدد کرے گا، باغات بنائے گا اور نہریں جاری کرے گا۔ یہاں استغفار کو دنیوی خوشحالی کی کنجی قرار دیا گیا، جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ قوموں کی معاشی برکتوں کا راستہ بھی توبہ و اطاعت سے گزرتا ہے۔ اس کے بعد آیات 13تا 20 میں عقلی دلائل کا عظیم سلسلہ ہے» :مَّا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا، وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا «تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کا لحاظ نہیں کرتے حالانکہ اس نے تمہیں مختلف مراحل میں پیدا کیا؛ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے سات آسمان پرت در پرت کیسے بنائے، چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا، تمہیں زمین سے اگایا اور اسی میں لوٹائے گا، اور تمہارے لیے زمین کو فرش بنا دیا تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں پر چلو۔ یعنی اول تخلیقِ انسان پر غور، پھر کائنات کی نشانیوں پر غور؛ یہ مرحلہ بتاتا ہے کہ دعوت صرف وعظ نہیں، فکری تربیت بھی ہے جو مخاطب کو اس کی اپنی ذات اور گردوپیش سے خالق تک پہنچاتی ہے۔

چوتھا مرحلہ :قوم کی سرکشی، بتوں کی عبادت اور آخری صورت حال

ادھر قوم کی طرف سے رویہ یہ تھا کہ جب بھی دعوت دی گئی وہ اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیتے، کپڑے لپیٹ لیتے، ضد پر اڑ جاتے اور بڑا تکبر کرتے) آیت(7 ۔ انہوں نے اپنے سرداروں کی پیروی کو ترجیح دی اور کہا» :لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا

تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا «یعنی اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا، ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو بھی نہ چھوڑنا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ پانچ بزرگوں کے نام تھے جن کے انتقال کے بعد لوگوں نے ان کی تصویریں اور بت بنا کر پوجنا شروع کر دیا تھا، اور عرب میں شرک کی یہی روایت بعد کے ادوار تک چلی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بتا دیا کہ ان بڑوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا اور ظالموں کی گمراہی ہی بڑھی) آیت(24 ۔ طویل آزمائش کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اب تمہاری قوم میں سے مزید کوئی ایمان نہیں لائے گا سوائے ان کے جو لا چکے) سورۂ ہود(، تو آخری مرحلہ آیا :حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی :رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا «یعنی اے میرے رب !زمین پر کافروں میں سے کسی بسنے والے کو نہ چھوڑ، کیوں کہ اگر تو انہیں چھوڑے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی نسل سے بھی بدکار اور ناشکرے ہی پیدا ہوں گے۔ ساتھ ہی اپنے لیے، والدین کے لیے اور تمام مؤمن مرد و عورتوں کے لیے مغفرت کی دعا بھی کی) آیات 26 تا(28 ۔ یہ دعا کسی ذاتی انتقام کی نہ تھی، بلکہ وحی کے علم کے بعد اس فتنے کا سدِ باب تھی جس کا عملاً علاج ناممکن ہو چکا تھا۔ بالآخر قوم اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق کی گئی اور پھر آگ میں داخل کی گئی اور اللہ کے سوا کوئی ان کا مددگار نہ ہوا) آیت(25 ، جبکہ نبی اور مؤمن کشتی میں نجات پا گئے۔

نتیجہ

حاصلِ کلام یہ ہے کہ سورۂ نوح میں دعوت کے واضح مراحل نظر آتے ہیں :آغاز میں توحید و تقویٰ کی سادہ پیش کش اور انذار، پھر شب و روز اور خفیہ و علانیہ اسالیب کا تنوع، پھر استغفار کی ترغیب اور تخلیق و کائنات سے عقلی استدلال، اور انتہا پر قوم کی مکمل سرکشی کے بعد وحی کی رہنمائی میں حتمی دعا اور انجام۔ آج کے داعی کے لیے اس سورت کا پیغام یہ ہے کہ دعوت میں ثابت قدمی، اسالیب کی وسعت، مخاطب کی نفسیات کی رعایت، نرم خطاب، ترغیب و ترہیب کا توازن اور آخری درجے میں بھی مؤمنین کے لیے رحمت کی دعا، یہ سب نبوی سنت ہے؛ نتیجہ چاہے دیر سے آئے، داعی کا کام بہترین اسلوب کے ساتھ پیغام پہنچا دینا ہے۔

سوال نمبر :2 سورۂ مزمل کے بنیادی مضامین اور جامع خلاصہ — تفہیم القرآن کی روشنی میں 20) نمبر(

سوال نمبر2 ۔ تفہیم القرآن کی روشنی میں سورہ المزمل کے بنیادی مضامین پر بحث کرتے ہوئے سورہ کا جامع خلاصہ تحریر کریں۔؟(20)

تعارف

سورۂ مزمل قرآن مجید کی تہترویں سورت ہے، یہ مکی سورت ہے اور اس کی بیس آیات ہیں۔ اس کی پہلی انیس آیات نزولِ وحی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئیں، جبکہ آخری) بیسویں (آیت کے بارے میں سید ابو الاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ نے تفہیم القرآن میں لکھا ہے کہ یہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اور اسی میں تہجد کی فرضیت میں تخفیف کا حکم آیا۔ سورت کا نام اس کے پہلے لفظ» المزمل «یعنی» کپڑے میں لپٹنے والے «سے ماخوذ ہے۔ تفہیم القرآن کی خصوصیت یہ ہے کہ مولانا مودودی رحمہ اللہ سورت کے مضامین کو تاریخی پس منظر، نظمِ کلام اور معاشرتی مقاصد سے جوڑ کر پیش کرتے ہیں۔ اس جواب میں انہی کی روشنی میں سورت کے بنیادی مضامین پر بحث کرتے ہوئے اس کا جامع خلاصہ پیش کیا جائے گا۔

بنیادی مضامین :پہلا حصہ — تربیتِ نبوی اور قیام اللیل

سورت کی پہلی آیات خطابِ محبت سے شروع ہوتی ہیں» :يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ، قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا، نِّصْفَهُ أَوِ انقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا، أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا «یعنی اے کپڑے میں لپٹنے والے !رات کو) عبادت کے لیے (کھڑے ہو جایا کرو مگر تھوڑا سا حصہ؛ آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا اس پر کچھ زیادہ، اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔ تفہیم القرآن میں مولانا مودودی اس حکم کی حکمت بیان کرتے ہیں کہ نبوت کا عظیم بوجھ، جسے اگلی آیت میں» قَوْلًا ثَقِيلًا) «بھاری بات (کہا گیا ہے، اٹھانے کے لیے روحانی تقویت ضروری تھی۔ رات کی تنہائی میں اللہ سے رابطہ، نفس کی تربیت اور قرآن کی ترتیل کے ساتھ تلاوت وہ تین ذرائع تھے جن سے اس عظیم ذمہ داری کا اہل بنایا گیا۔ آیت 6 میں بتایا گیا کہ رات کا اٹھنا

نفس کو قابو میں رکھنے کے لیے سب سے کارگر ہے اور کلام کے دل میں بیٹھنے کے لیے موزوں ترین وقت ہے، کیوں کہ دن میں مشاغل کی بھرمار ہوتی» إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا(«۔ ترتیل کا حکم اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن کو سمجھ کر، رکھ رکھ کر، معنی میں غوطہ لگا کر پڑھا جائے، جلد بازی کی تلاوت مقصود نہیں۔ مولانا مودودی کے نزدیک یہ حصہ ہر داعی اور ہر اس شخص کے لیے تربیتی نصاب ہے جسے کوئی بڑی ذمہ داری اٹھانی ہو :عوامی سرگرمی سے پہلے خلوت میں اپنے رب سے تعلق مضبوط کرنا۔

بنیادی مضامین :دوسرا حصہ — ذکر، تبتل، توکل اور صبر

دوسرا حصہ آیات 8 تا 10 پر مشتمل ہے» :وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا «یعنی اپنے رب کے نام کا ذکر کرو اور سب سے کٹ کر پورے طور پر اسی کے ہو جاؤ۔» رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا «وہ مشرق و مغرب کا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پس اسی کو اپنا کارساز بنا لو۔» وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا «اور جو کچھ یہ) کفار (کہتے ہیں اس پر صبر کرو اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ۔ تفہیم القرآن میں ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے مولانا مودودی نے تبتل کا مفہوم واضح کیا ہے کہ اس کے معنی یکسوئی کے ہیں، یعنی داعی کا دل اللہ کے سوا ہر طرف سے منقطع ہو کر ایک ہی ذات سے وابستہ ہو جائے۔ توکل کو دعوت کا سرمایہ قرار دیا گیا ہے کیوں کہ وسائل کی کمی اور دشمنوں کی کثرت کے مقابلے میں یہی جذبہ داعی کو ثابت قدم رکھتا ہے۔» ہجرِ جمیل «کی تشریح میں وہ لکھتے ہیں کہ مخالفین سے کنارہ کشی کا یہ مطلب نہیں کہ دعوت چھوڑ دی جائے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ بدگوئی اور جھگڑے کا جواب اسی لہجے میں نہ دیا جائے، نرمی اور وقار کے ساتھ اپنا راستہ الگ رکھا جائے۔ یہ تین صفات یعنی ذکر کی کثرت، توکل اور صبر و ہجرِ جمیل، سورت کے اخلاقی محور ہیں اور داعی کی شخصیت کی بنیاد بھی۔

بنیادی مضامین :تیسرا حصہ — مکذبین کو تنبیہ اور آخری آیت میں تخفیف

تیسرا حصہ آیات 11 تا 19 پر محیط ہے جس میں روئے سخن مکذبین کی طرف ہو جاتا ہے» :وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا «یعنی مجھے اور ان جھٹلانے والوں کو چھوڑ دو جو نعمتوں والے ہیں اور انہیں تھوڑی مہلت دو۔ آگے قیامت کی ہولناکیاں بیان ہوئی ہیں :بندھن اور آگ، گلے میں اٹکنے والا کھانا اور دردناک عذاب، زمین و پہاڑوں کا لرزنا اور

پہاڑوں کا ریت کے تودے بن جانا۔ پھر فرعون کی مثال دی گئی ہے کہ ہم نے تمہاری طرف ایک رسول گواہ بنا کر بھیجا جیسے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا، فرعون نے نافرمانی کی تو اسے سخت گرفت میں پکڑ لیا گیا؛ پس تم کفر کرو گے تو اس دن سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ بالآخر اسے» تذکرہ «قرار دے کر اختیار کی آزادی دی گئی کہ جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ اختیار کرے۔ مولانا مودودی کے نزدیک یہ حصہ اس توازن کو ظاہر کرتا ہے کہ دعوت میں نرمی کے ساتھ ساتھ گرفتِ الٰہی کا اعلان بھی ناگزیر ہے تاکہ مخاطب فیصلے کی سنگینی کو سمجھے۔

بیسویں آیت سورت کا اختتامی اور طویل ترین حصہ ہے جس میں تخفیف کا حکم ہے :اللہ جانتا ہے کہ تم رات کے دو تہائی، آدھے یا ایک تہائی حصے میں قیام کرتے ہو اور تمہارے ساتھ ایمان والوں کی ایک جماعت بھی؛ اللہ ہی رات و دن کا حساب رکھتا ہے، اس نے جانا کہ تم اسے برقرار نہیں رکھ سکو گے تو اس نے تم پر کرم فرمایا، پس جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔ اسی آیت میں خبر دی گئی کہ بعض لوگ بیمار ہوں گے، بعض رزق کی تلاش میں سفر کریں گے اور بعض راہِ خدا میں جہاد کریں گے، اس لیے اس رعایت کا اعلان فرمایا گیا۔ ساتھ ہی نماز قائم کرنے، زکاۃ دینے، اللہ کو قرضِ حسنہ دینے اور استغفار کی تاکید بھی آئی ہے اور یہ خوشخبری کہ جو بھلائی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں بہتر اور بڑے اجر کے ساتھ پاؤ گے۔ تفہیم القرآن میں اسے شریعت کی تدریجی اور رحمت بھری فطرت کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے کہ اللہ مکلف کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا اور آسانی اس کے دین کا بنیادی وصف ہے۔

جامع خلاصہ

سورت کا جامع خلاصہ یوں بیان کیا جا سکتا ہے :اللہ تعالیٰ نے ابتدائی مکی دور میں نبی کریم ﷺ کو اس عظیم فریضے کے لیے تیار فرمایا جو ان کے کندھوں پر ڈالا جانے والا تھا۔ تیاری کا طریقہ رات کی عبادت، ترتیل کے ساتھ تلاوتِ قرآن، ذکر و تبتل، توکل اور مخالفین کی زیادتیوں پر صبر و ہجرِ جمیل تھا۔ درمیان میں کفار کو ان کے انجام سے خبردار کیا گیا اور فرعون کی مثال سے تاریخ سے سبق دلایا گیا۔ آخر میں امت کی عملی زندگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے تہجد کو فرض سے نفل کی طرف موڑ کر آسانی پیدا کر دی گئی اور نماز، زکاۃ، انفاق اور استغفار کو مستقل معمول قرار دیا گیا۔ یوں یہ سورت روحانی تربیت، دعوتی حکمت اور شارعانہ رحمت، تینوں کا جامع نمونہ بن گئی۔

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ سورۂ مزمل کے بنیادی مضامین تربیتِ نفس، قربِ الٰہی، دعوتی صبر اور اخروی تنبیہ ہیں، اور تفہیم القرآن نے ان مضامین کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ یہ سورت صرف نبی کریم ﷺ سے خطاب نہ رہے بلکہ ہر زمانے کے داعی اور کارکن کے لیے تربیتی دستاویز بن جائے۔ اس کا سب سے بڑا عملی پیغام یہ ہے کہ دن کی مصروف دنیا میں قدم جمانے کے لیے رات کو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونا پڑتا ہے، اور اللہ کی رحمت یہ ہے کہ اس نے سخت ترین ریاضت کو بھی امت کی طاقت کے مطابق ڈھال دیا۔

سوال نمبر :3 سورۂ دہر کی ابتدائی چھ آیات کے معارف و مسائل — معارف القرآن از مولانا محمد شفیع کی روشنی میں 20) نمبر(

سوال نمبر3 ۔ معارف القرآن از مولانا محمد شفیع کی روشنی میں سورہ الدھر کی ابتدائی چھ آیات کے معارف اور مسائل پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔(20)

تعارف

سورۂ دہر قرآن مجید کی چھہترویں سورت ہے، اسے سورۂ انسان بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مدنی سورت ہے اور اس کی اکتیس آیات ہیں) بعض مفسرین کے نزدیک اس کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف بھی منقول ہے، جمہور کے نزدیک مدنی ہے(۔ »معارف القرآن «حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کی وہ تفسیر ہے جو ہر آیت کے بعد» معارف و مسائل «کے عنوان سے ایسے علمی و عملی نکات استخراج کرتی ہے جو قاری کی زندگی سے براہ راست جڑے ہوں۔ سورۂ دہر کی ابتدائی چھ آیات انسان کی تخلیق، اس کے امتحان، اس کے اختیار اور کافروں و نیکوکاروں کے دو جدا انجاموں کو بیان کرتی ہیں۔ اس جواب میں انہی چھ آیات کی تشریح اور ان سے حاصل ہونے والے معارف و مسائل معارف القرآن کی روشنی میں پیش کیے جائیں گے۔

آیات 1 تا 3 کی تشریح

آیت» :1 هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا «یعنی کیا انسان پر زمانے کا ایسا وقت نہیں گزرا جب وہ قابلِ ذکر کوئی چیز ہی نہ تھا۔ معارف القرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ» ہل «یہاں استفہامِ تقریری ہے جس کا معنی» قد « یعنی» یقیناً گزرا ہے «ہے۔ مراد یہ ہے کہ انسان کا ایک طویل دورِ عدم ہے؛ اس کے آبا و اجداد کا سلسلہ چلتے چلتے حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچتا ہے اور اس سے پہلے انسان نام کی کوئی چیز دنیا میں نہ تھی۔ یہ آیت انسان کی تکبر شکنی کے لیے ہے :جو کل تک کچھ نہ تھا، وہ آج اپنی ہستی پر اتراتا پھرے تو یہ نادانی ہے۔ آیت» :2 إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا «یعنی ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا تاکہ اسے آزمائیں، پھر ہم نے اسے سننے والا اور دیکھنے والا بنایا۔» امشاج «کے معنی ہیں مخلوط اجزاء؛ مرد و عورت کے مادوں کا امتزاج اور اس میں موجود بے شمار موروثی اوصاف کی طرف اشارہ ہے۔» نبتلیه «سے واضح ہوتا ہے کہ تخلیق کا مقصد امتحان ہے، اور سمیع و بصیر بنانا اس امتحان کی صلاحیتوں کی فراہمی ہے تاکہ انسان وحی کو سن سکے اور آیاتِ اللہ کو دیکھ سکے؛ عقل کو مفسرین نے سمع و بصر کی تکمیل قرار دیا ہے۔ آیت» :3 إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا «یعنی ہم نے اسے راستہ دکھا دیا، اب چاہے وہ شکر کرنے والا بنے یا ناشکرا۔ معارف القرآن میں اس آیت کی تشریح میں بتایا گیا کہ ہدایت کا بیان انبیاء، کتابوں اور فطرت کے ذریعے مکمل کر دیا گیا ہے، مگر چلنے کا اختیار انسان کو دیا گیا ہے؛ اسی اختیار کی بنیاد پر جزا و سزا کا نظام کھڑا ہے۔ یہاں» شاکر «اور» کفور «کے مقابلے سے ظاہر ہوتا ہے کہ شکر و کفر محض اعمال نہیں بلکہ انسان کی دو بنیادی شناختیں ہیں جو اس کے اپنے انتخاب سے بنتی ہیں۔

آیات 4 تا 6 کی تشریح

آیت» :4 إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلَ وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا «یعنی ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں، طوق اور بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ» اعتدنا «کے لفظ پر توجہ دلاتے ہیں کہ یہ انجام پہلے سے تیار ہے؛ کافر اپنے اختیار سے شکر کی راہ چھوڑ کر اس ٹھکانے کا خود انتخاب کرتا ہے۔ زنجیر و طوق دراصل دنیا میں گناہوں کی ان بندشوں کی آخری صورت ہیں جن میں انسان اپنے آپ کو جکڑ لیتا ہے۔ آیت» :5 إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِن كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا «یعنی نیکوکار ایسے جام سے پئیں گے جس کی آمیزش کافور کی ہوگی۔ معارف القرآن میں کافور کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں کہ

وہ ٹھنڈک، خوشبو اور سفیدی میں مشہور ہے؛ جنت کی شرابِ طہور میں اس کی آمیزش اس کی لذت، فرحت اور پاکیزگی کی علامت ہے، دنیا کی خمر کی گرمی، بدبو اور عقل خراش کیفیت سے اس کا کوئی موازنہ نہیں۔» ابرار «سے مراد وہ فرمانبردار نیک بندے ہیں جن کی زندگی اطاعت میں گزری۔ آیت» :6 عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا «یعنی یہ ایک چشمہ ہوگا جس سے اللہ کے خاص بندے پئیں گے اور اسے جہاں چاہیں گے بہا لے جائیں گے۔ اس میں دو لطیف نکتے بیان کیے گئے ہیں :ایک یہ کہ آیت 5 میں» ابرار «کا لفظ آیا اور یہاں» عباد اللہ «کا، جس سے درجات کا فرق معلوم ہوتا ہے؛ خاص بندے اس چشمے سے براہ راست پیتے ہیں اور ان کے اختیار میں اس کی روانی بھی ہوگی۔ دوسرا نکتہ یہ کہ جنت کی نعمتوں کی یہ کیفیت دنیا کی نعمتوں سے اس لیے مختلف ہے کہ وہاں نعمت پر بندے کا ارادہ بھی جاری ہوگا، ایسی تکمیل دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔

معارف و مسائل

ان چھ آیات سے معارف القرآن کے طرز پر جو اہم معارف و مسائل نکلتے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔ پہلا مسئلہ :انسان کی تخلیقی اصل کا شعور عاجزی پیدا کرتا ہے؛ جو مخلوق کلعدم سے وجود میں آئی اس کے لیے غرور زیب نہیں دیتا۔ دوسرا مسئلہ :زندگی ایک امتحان ہے اور اس کے لوازمات یعنی سماعت، بصارت اور عقل اللہ کی امانت ہیں، ان کا جائز یا ناجائز استعمال ہی امتحان کا اصل پرچہ ہے۔ تیسرا مسئلہ :ہدایت و اختیار کا تعلق؛ اللہ نے راہ دکھائی، چلنا انسان کے ذمے رہا، اس لیے شکایت کی گنجائش نہیں کہ ہمیں مجبور کیا گیا تھا۔ چوتھا مسئلہ :شکر کو مومن کی اور کفر کو کافر کی پہچان قرار دینا؛ نعمتوں کے استعمال سے انسان کی اصل نسبت ظاہر ہوتی ہے۔ پانچواں مسئلہ :انجام کی تیاری کا تصور؛ جنت و جہنم محض مستقبل کی باتیں نہیں، بندے کے روز مرہ انتخاب سے ان کا راستہ متعین ہوتا جا رہا ہے۔ چھٹا مسئلہ :جنت کی نعمتوں کا بیان ترغیب کے لیے ہے مگر ان کی حقیقی کیفیت دنیا کے پیمانوں سے ماورا ہے، لہٰذا ان اشارات کو حقیقت کی علامت سمجھا جائے، اختلافی جزئیات میں ذہن الجھایا نہ جائے۔ ساتواں نکتہ یہ بھی ہے کہ آیات کا تسلسل ایک مکمل فلسفۂ حیات بنا دیتا ہے :ماضی) عدم سے وجود(، حال) امتحان و اختیار (اور مستقبل) جزا و سزا (تینوں ایک آیت کے بعد دوسری آیت میں ترتیب سے کھلتے جاتے ہیں۔

نتیجہ

حاصلِ کلام یہ ہے کہ سورۂ دہر کی ابتدائی چھ آیات انسان کے سامنے اس کی مکمل زندگی کا نقشہ رکھ دیتی ہیں :وہ کہاں سے آیا، کیوں آیا، اس کے پاس کیا سرمایہ ہے، اس کی منزل کیا ہے اور اس کا انجام کن دو صورتوں میں سے ایک ہوگا۔ معارف القرآن کی روشنی میں ان آیات کا اصل درس یہ ہے کہ انسان اپنی عارضی ہستی پر غرور ترک کرے، امتحان کی اصل روح کو سمجھے، شکر کو اپنی شناخت بنائے اور ابرار کے انجام کو اپنی منزل بنا کر زندگی گزارے۔ یہی ان چھ آیات کا عملی پیغام ہے جسے مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے معارف مسائل کے انداز میں نمایاں کیا ہے۔

سوال نمبر» :4 النفس اللوّامة «کا مفہوم اور صوفیائے کرام کے نزدیک نفس کی اقسام اور حقیقت — معارف القرآن کی روشنی میں 20) نمبر(

سوال نمبر4 ۔ سورہ القیامہ میں» النفس اللوامة «سے کیا مراد ہے؟ معارف القرآن از مولانا محمد شفیع (کی روشنی میں صوفیائے کرام کے نزدیک نفس کی اقسام اور حقیقت بیان کریں۔(20)

تعارف

سورۂ قیامہ قرآن مجید کی پچھترویں سورت ہے، یہ مکی سورت ہے اور اس کی چالیس آیات ہیں۔ اس کی دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا» :وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ «یعنی» اور میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی«۔ یہ آیت پہلی آیت» لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ «کے ساتھ مل کر قیام قیامت اور انسان کی دوبارہ تخلیق کی دلیل کے طور پر پیش ہوئی ہے۔ »معارف القرآن «میں حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے اس آیت کی تشریح میں نفسِ لوامہ کی حقیقت اور صوفیائے کرام کی تقسیم کے مطابق نفس کی اقسام پر گرانقدر بحث کی ہے۔ اس جواب میں پہلے لفظِ لوامہ کا مفہوم و مراد بیان کیا جائے گا، پھر مفسر کی روشنی میں نفس کی حقیقت اور اس کی معروف اقسام تفصیل سے پیش کی جائیں گی۔

»النفس اللوامة «سے مراد

»لوامہ «عربی کے لفظ» لوم «سے مشتق ہے جس کے معنی ملامت اور سرزنش ہیں؛» لوامہ «مبالغے کا صیغہ ہے، یعنی بہت زیادہ ملامت کرنے والا۔ نفسِ لوامہ سے مراد وہ نفس) ضمیر (ہے جو انسان کو گناہ کرنے پر ملامت کرتا ہے اور نیکی چھوڑنے پر بھی خفت دلاتا ہے۔ معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے مفسرین کے اقوال کا خلاصہ یوں پیش کیا ہے کہ بعض کے نزدیک اس سے مراد مؤمن کا نفس ہے جو اسے برائی پر کوستا اور نیکی میں کوتاہی پر شرماتا ہے، یہ زندہ ضمیر کی علامت ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے عام انسانی نفس مراد ہے جو دنیا میں کیے ہوئے اعمال پر قیامت کے دن بھی ملامت کرے گا کہ کیوں کیے، خواہ نیک ہو یا بد؛ نیک آدمی کو اس ملامت کا پہلو یہ ہوگا کہ اس نے مزید نیکی کیوں نہ کی۔ قسم کی حکمت بھی وہیں سے کھلتی ہے کہ جس طرح زندہ ضمیر کا وجود انسان کے اندر ایک عدالت کی حیثیت رکھتا ہے، اسی طرح اس احتساب کو ایک بڑی عدالت یعنی قیامت میں مکمل ہونا بھی ضروری ہے، ورنہ دنیا میں بہت سے جرائم بغیر سزا اور بہت سی مظلومیتیں بغیر داد رسی کے رہ جائیں گی۔ یوں نفسِ لوامہ کی قسم قیامت کی دلیل بن گئی :اندرونی احتساب بیرونی احتساب کا پیش خیمہ ہے۔

اس مقام پر ایک نکتہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ملامت کرنے والا ضمیر اس وقت تک زندہ رہتا ہے جب تک انسان گناہ کو گناہ سمجھتا رہے۔ جب گناہ کی عادت پڑ جائے اور ندامت ختم ہو جائے تو ضمیر مر جاتا ہے، اور یہی وہ کیفیت ہے جو نفس کی اقسام کی بحث کو اہم بناتی ہے، کیوں کہ انسان کا روحانی سفر انہی مدارج میں طے ہوتا ہے :کبھی نفس غلبہ پاتا ہے، کبھی ضمیر لڑتا ہے، اور بالآخر کامل اطمینان کی منزل آتی ہے۔

صوفیائے کرام کے نزدیک نفس کی حقیقت

صوفیائے کرام کے نزدیک نفس سے مراد انسان کے اندر وہ قوّت ہے جو اسے لذتوں اور خواہشات کی طرف بلاتی ہے اور جو تربیت نہ پائے تو سرکشی اور نافرمانی کا مرکز بن جاتی ہے۔ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ معارف القرآن میں اس کی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں کہ نفس بذاتِ خود کوئی مستقل بری مخلوق نہیں بلکہ انسانی جبلتوں کا مجموعہ ہے جن میں بقا کی طلب، خوراک و لذت کی طلب اور غلبے کی طلب شامل ہیں؛ یہی قوتیں جب شریعت کے دائرے سے باہر نکل جائیں تو

برائی کا ذریعہ بن جاتی ہیں اور جب تربیت کے ذریعے مطیع ہو جائیں تو یہی نفس عبادت و قرب کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ صوفیاء نے اسی لیے نفس کی» قتل «کے بجائے» تزکیہ «اور» اصلاح «کو مقصد قرار دیا ہے :قوتیں ختم کرنی نہیں، رخ درست کرنا ہے۔ قرآن مجید میں» قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا، وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا) «سورۂ شمس (اسی تزکیے کی طرف اشارہ ہے۔ نفس کی حقیقت کو یہ بھی سمجھا جا، کہ یہ تربیت کے لحاظ سے مدارج طے کرتا ہے، اور انہی مدارج کو صوفیاء نے مختلف نام دیے ہیں جن میں سے تین کا ذکر خود قرآن میں موجود ہے اور بقیہ انہی کی توسیع و درجہ بندی ہے۔

نفس کی اقسام

صوفیائے کرام کے نزدیک نفس کی مشہور اقسام یہ ہیں۔ پہلی قسم :نفسِ امّارہ، جس کا ذکر سورۂ یوسف میں آیا ہے» :إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ «یعنی نفس برائی پر بہت اکسانے والا ہے۔ یہ نفس کی وہ حالت ہے جس میں خواہشات غالب ہوتی ہیں، انسان لذت کا غلام بن جاتا ہے اور اس کا ضمیر یا تو سو جاتا ہے یا کمزور پڑ جاتا ہے؛ گناہ اسے مزے کی شے اور نصیحت بوجھ لگتی ہے۔ یہ سب سے پستی کی کیفیت ہے اور اکثر انسان اسی درجے سے سفر شروع کرتے ہیں۔ دوسری قسم :نفسِ لوامہ، جو زیرِ بحث آیت میں مذکور ہے۔ یہ درمیانی اور کشمکش والی حالت ہے :خواہشات بھی کھینچتی ہیں اور ضمیر بھی لڑتا ہے؛ انسان گناہ کر بیٹھتا ہے مگر بے چین ہو جاتا ہے، ندامت کرتا ہے، توبہ کرتا ہے، پھر کبھی لغزش ہو جاتی ہے اور پھر ملامت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یہ کیفیت نفسِ امارہ سے بلند ہے کیوں کہ اس میں ایمان کی روشنی زندہ ہے اور یہی کشمکش بالآخر کامیابی کی ضمانت بنتی ہے۔ تیسری قسم :نفسِ مطمئنّہ، جس کا ذکر سورۂ فجر میں ہے» :يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ، ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً «یعنی اے مطمئن نفس !اپنے رب کی طرف لوٹ چل اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ یہ وہ حالت ہے جس میں نفس خواہش و غضب کی سرکشی سے نکل کر ذکر و طاعت پر استقامت پکڑ لیتا ہے، اب عبادت اس کے لیے بوجھ نہیں مزہ بن جاتی ہے اور زندگی کا ہر حال اسے اللہ کی رضا کے آئینے میں نظر آتا ہے۔ یہی تزکیے کی انتہائی منزل ہے جس کی دنیا میں بھی نشانیاں ملتی ہیں اور آخرت میں اس کا اعلان فرشتوں کے ذریعے خوشخبری کے انداز میں ہوگا۔

ان تین قرآنی اقسام کے علاوہ صوفیاء نے تربیت کے مزید مدارج بھی بیان کیے ہیں جن کا ذکر معارف القرآن میں خلاصتاً ملتا ہے۔ نفسِ ملہمہ :وہ نفس جسے خیر و شر کی پہچان کا الہام ہونے لگے، جیسا کہ سورۂ شمس میں» فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا

وَتَقْوَاهَا «کی طرف اشارہ ہے؛ اس درجے میں بندے کو اپنے اندر سے نیکی کی ترغیب زیادہ مضبوط سنائی دیتی ہے۔ نفسِ راضیہ :وہ مطمئن نفس جو اللہ کے ہر فیصلے پر راضی ہو جائے۔ نفسِ مرضیہ :وہ جس سے اللہ خود راضی ہو جائے، قرآن میں» راضیۃ مرضیۃ «کا جوڑا انہی دونوں درجات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ بعض صوفیاء نے ساتواں درجہ نفسِ صافیہ یا کاملہ بھی بیان کیا ہے جو انبیاء و صدیقین کا درجہ ہے، جہاں نفس مکمل طور پر تزکیہ پا کر روح کے تابع ہو جاتا ہے۔ ان درجات کا مقصد ذہنی درجہ بندی برائے نام و نمود نہیں، بلکہ سالک کی خود احتسابی کا پیمانہ ہے کہ وہ جانے وہ کس مقام پر کھڑا ہے اور اگلی منزل کا راستہ کیا ہے :ریاضت و مجاہدہ، ذکر و مراقبہ، صحبۂ صالحہ اور گناہوں سے مکمل دوری ہی وہ وسائل ہیں جن سے نفس درجہ بہ درجہ ترقی کرتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ نفسِ لوامہ وہ ملامت کرنے والا زندہ ضمیر ہے جو انسان کو برائی پر کوستا اور نیکی کی کوتاہی پر شرمندہ کرتا ہے، اور اس کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے بڑے احتساب کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ صوفیائے کرام کے نزدیک نفس کی اقسام امارہ، لوامہ اور مطمئنہ ہیں، اور باریک درجہ بندی میں ملہمہ، راضیہ، مرضیہ اور کاملہ کا اضافہ ہوتا ہے۔ معارف القرآن کی رو سے ان تمام مباحث کا عملی حاصل یہی ہے کہ بندہ اپنے ضمیر کو زندہ رکھے، نفسِ امارہ کی غلامی سے نکل کر لوامہ کی کشمکش میں ثابت قدم رہے اور مجاہدے و ذکر کے ذریعے مطمئنہ کی منزل تک پہنچنے کی کوشش کرے کیوں کہ فلاح اسی کا مقدر ہے جس نے اپنے نفس کو پاک کیا۔

سوال نمبر» :5 الغاشیہ «کا مفہوم اور سورۂ غاشیہ میں اہلِ جہنم و اہلِ جنت کا بیان —تفسیر ماجدی کی روشنی میں 20) نمبر(

سوال نمبر5 ۔» الغاشیۃ «سے کیا مراد ہے؟ اہل جہنم اور اہل جنت کے حوالے سے سورہ الغاشیہ میں کیا بیان ہوا ہے؟ تفسیر ماجدی کی روشنی میں تفصیلی نوٹ لکھیں۔(20)

تعارف

سورۂ غاشیہ قرآن مجید کی اٹھاسیویں سورت ہے، یہ مکی سورت ہے اور اس کی چھبیس آیات ہیں۔» تفسیر ماجدی « علامہ عبد الماجد دریابادی رحمہ اللہ) وفات1977 ء (کی انگریزی تفسیر «Tafsir-ul-Quran» کا اردو روپ ہے جو اپنے عقلی، سائنسی ذوق اور مذہبِ جدید کے اعتراضات کے جواب کی وجہ سے ممتاز ہے؛ دریابادی صاحب آخرت کے احوال کو القاب و استعارات کے بجائے حقیقی معنوں میں لیتے ہیں اور ان کی جزئیات کی تاویلات سے اجتناب کرتے ہوئے قرآن کی تصریح کو کافی سمجھتے ہیں۔ اس جواب میں پہلے غاشیہ کا مفہوم واضح کیا جائے گا، پھر تفسیر ماجدی کی روشنی میں اہلِ جہنم اور اہلِ جنت کے احوال کا تفصیلی نقشہ پیش کیا جائے گا۔

»الغاشیہ «سے مراد

»غاشیہ «عربی کے مادے» غ ش ی «سے ہے جس کے معنی ہیں :چھا جانا، ڈھانپ لینا اور محیط ہو جانا۔» غاشیہ « قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، کیوں کہ وہ دن اپنی ہولناکیوں سمیت پوری مخلوق پر چھا جائے گا اور کوئی جاندار اس کی گرفت سے باہر نہیں رہے گا۔ بعض مفسرین کے نزدیک غاشیہ سے مراد وہ آگ بھی ہو سکتی ہے جو جہنمیوں کو ہر طرف سے ڈھانپ لے گی، مگر جمہور مفسرین اور تفسیر ماجدی کے طرز کے مطابق یہ قیامت ہی کا نام ہے، کیوں کہ سورت کا آغاز» هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ «یعنی» کیا تمہارے پاس اس چھا جانے والی) قیامت (کی خبر پہنچی ہے؟ «اسی بڑے دن کے بیان کی طرف لے جاتا ہے جس دن چہرے دو قسم کے ہو جائیں گے۔ دریابادی صاحب کے نزدیک قرآن نے اس نام کے ذریعے قیامت کی ہمہ گیری کو ظاہر کیا ہے :یہ واقعہ کسی ایک خطے یا قوم کے لیے نہیں بلکہ تمام انسانیت کے لیے یکساں حاضر ہوگا، اور اس دن کے احوال اس لیے پیشگی بیان کر دیے گئے ہیں کہ انسان غفلت کی بجائے تیاری کو اپنا شعار بنائے۔

اہلِ جہنم کے احوال

سورت کے پہلے حصے) آیات 2 تا (7 میں اہلِ جہنم کی تصویر کشی یوں کی گئی ہے» :وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ، عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ، تَصْلَىٰ نَارًا حَامِيَةً، تُسْقَىٰ مِنْ عَيْنٍ آنِيَةٍ، لَّيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِن ضَرِيعٍ، لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِن جُوعٍ«۔ یعنی اس دن کتنے ہی

چہرے ذلیل ہوں گے، تھکے ہوئے، مشقت میں پڑے ہوئے؛ وہ دہکتی آگ میں داخل ہوں گے، کھولتے ہوئے چشمے سے انہیں پلایا جائے گا، ان کے لیے سوائے خاردار جھاڑی) ضریع (کے کوئی کھانا نہیں ہوگا جو نہ موٹا کرے گی اور نہ بھوک مٹائے گی۔ تفسیر ماجدی میں ان الفاظ کو ان کے حقیقی معنوں میں لیا گیا ہے۔» خاشعه «یعنی خوف و ذلت سے جھکے ہوئے، »عامله ناصبه «کی تشریح میں دو پہلو بیان کیے گئے ہیں :دنیا میں بھی یہ لوگ باطل عبادتوں اور بدعتوں کی مشقتیں اٹھا کر تھکے رہے مگر قبولیت نہ پائی، اور آخرت میں بھی ان کی رسوائی والی مشقت ختم نہ ہوگی؛ دونوں پہلو سیاق سے ہم آہنگ ہیں۔» عین آنیه «کے کھولتے پانی سے مراد انتہائی گرم پانی ہے جو پیاس بجھانے کے بجائے عذاب بڑھائے گا۔» ضریع « کے بارے میں دریابادی صاحب نے لغوی تحقیق نقل کی ہے کہ یہ ایک خاردار، زہریلی اور بدبودار نبات ہے جسے جانور بھی منہ نہیں لگاتے؛ جہنمیوں کی غذا کے طور پر اس کا ذکر دراصل اس» غذا «کی بے ثمر کیفیت بتاتا ہے کہ وہ نام کو کھانا ہوگی مگر نہ غذائیت رہے گی نہ بھوک کا ازالہ، یوں عذاب کا ہر پہلو بے بسی اور حسرت سے بھرا ہوگا۔ تفسیر ماجدی کا اسلوب یہاں یہ سبق دیتا ہے کہ آخرت کے یہ احوال تمثیلات نہیں، حقیقتیں ہیں، اور عقلی اعتراضات کا جواب یہی ہے کہ جس قدرت نے اس کائنات کو بنایا ہے اس کے لیے ان صورتوں کا پیدا کر دینا کچھ مشکل نہیں۔

اہلِ جنت کے احوال

دوسرے حصے) آیات 8 تا (16 میں اس کے بالمقابل اہلِ جنت کی تصویر ہے» :وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ، لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ، فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ، لَّا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً، فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ، فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ، وَأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ، وَنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ، وَزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ«۔ یعنی کتنے ہی چہرے اس دن تر و تازہ اور خوشحال ہوں گے، وہ اپنی کوشش) دنیا کی نیکیوں (پر خوش ہوں گے، بلند جنت میں ہوں گے جہاں کوئی لغو بات نہیں سنی جائے گی، وہاں بہتا ہوا چشمہ ہوگا، اونچے تخت بچھے ہوں گے، چنے ہوئے آبخورے رکھے ہوں گے، قطار در قطار گدّے تکیے ہوں گے اور نفیس قالین بچھے ہوں گے۔ تفسیر ماجدی میں ان نعمتوں کو دو حصوں میں دیکھا گیا ہے :جسمانی آسائشیں، یعنی چشمہ، تخت، آبخورے اور قالین، اور روحانی آسائشیں، یعنی »لا تسمع فیها لاغیة «کہ جنت کا ماحول لغویات، جھوٹ، طعن و تشنیع اور ہر قسم کی تکلیف دہ گفتگو سے پاک ہوگا، اور یہ پاکیزہ فضا خود ایک عظیم نعمت ہے جس کا اندازہ دنیا کے شور و شر سے تھکا ہوا انسان ہی کر سکتا ہے۔ »لسعیها راضیه «میں جو خوشی بیان ہوئی ہے وہ اس اطمینان کی خوشی ہے کہ دنیا کی چند روزہ کوشش ہمیشہ کی

کامیابی کا سبب بن گئی؛ اس کے مقابلے میں اہلِ جہنم کی» عاملہ ناصبہ «تھکن ہے جو بے نتیجہ رہی۔ دریابادی صاحب کے طرزِ تفسیر کے مطابق ان آیات کا پیغام یہ ہے کہ عبادت کی محنت ضائع نہیں جاتی، اور جزا کا یہ نقشہ انسان کو اس کے آج کے عمل کی قدر و قیمت بتا رہا ہے۔ نعمتوں کی یہ تفصیلات بطور نمونہ ہیں، اصل حقیقت» جو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا «والی حدیث کے مطابق اس سے بہت بڑھ کر ہے۔

سورت کے آخری حصے میں انسان کو دعوتِ فکر دی گئی ہے کہ اونٹ کی تخلیق، آسمان کی بلندی، پہاڑوں کی تنصیب اور زمین کے بچھائے جانے پر نظر ڈالے؛ پھر نبی کریم ﷺ کو» مذکر) «یاد دلانے والا (قرار دے کر واضح کر دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ ان پر مسلط نگران نہیں، ہدایت پانا یا نہ پانا انسان کے اختیار میں ہے، البتہ انکار کرنے والوں کو اللہ کے بڑے عذاب کا سامنا ہوگا اور سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے اور حساب بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ تفسیر ماجدی کے مطابق یہ اختتام سورت کے آغاز سے جڑا ہوا ہے کہ اہلِ جہنم و اہلِ جنت کے دو نقشے دکھا کر فیصلے کا اختیار انسان کے حوالے کر دیا گیا ہے تاکہ وہ آج کے غور و فکر سے کل کی منزل کا انتخاب کر لے۔

نتیجہ

حاصلِ کلام یہ ہے کہ» غاشیہ «قیامت کا وہ نام ہے جو اس دن کی ہمہ گیری اور ہر ایک پر چھا جانے والی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔ سورۂ غاشیہ میں اہلِ جہنم کے لیے ذلت، تھکن، دہکتی آگ، کھولتا پانی اور بے ثمر خاردار غذا کا نقشہ کھینچا گیا ہے، جبکہ اہلِ جنت کے لیے خرم چہرے، اپنے سعی کی خوشی، بلند جنت، بہتا چشمہ، آسائش کے سامان اور لغویات سے پاک فضا کی بشارت دی گئی ہے۔ تفسیر ماجدی کی روشنی میں ان احوال کو حقیقی اور قطعی سمجھ کر سبق حاصل کرنا چاہیے کہ انسان کی آج کی کوشش ہی اس کی کل کی صورت متعین کرتی ہے؛ چاہے وہ بے ثمر تھکن بن جائے یا خوشی کا سرمایہ۔